دشمنوں کے درمیان شام

منیر نیازی



دشمنوں کے درمیان شام

منیر نیازی

انتساب

امام حسین علیہ السلام کے نام

ترتیب

غزلیں

تعارف

ایسا لگتا ہے کہ موسم سب ایک مہیب جھٹپٹے کی دھند، خاموش اور اجاڑ پن میں گھرے ہوئے اپنا راستہ پہچاننے کی کوشش کررہے ہیں۔ ہمیں پتا نہیں کہ مشرق کدھر ہے اور مغرب کدھر، اور یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ چھٹیاں صبح کا ہے یا شام کا، تھوڑی تھوڑی دیر بعد نیا دن ہمارے لیے نئے عزائم اور صعوبتیں لے کر آئے گا یا رات کسی عذاب کی طرح ہم پر نازل ہوگی ______ سیاہ رات جس میں ہم شاید راستوں کے ساتھ ساتھ اپنے وجود کی سرحدوں کو بھی بھول جائیں گے، کون جانے؟

تذبذب کی اس فضا میں ہر منزل، گرد و پیش کا سارا منظر، غرضیکہ زمین اور آسمان نادیدہ اور نامعلوم خطروں سے بھرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، دوسرے آدمیوں کی دھند میں مٹی مٹی شکلیں ارتنی پر اسرار اور غیر حقیقی ہیں کہ ان سے خوف آتا ہے اور دشمنی کی بو۔

''آجکل ہر آدمی دوسرے کو ایک خطرہ سمجھتا ہے۔ یہ ایک عجیب سی بات ہے۔ لیکن آدمی جتنا زیادہ ذہنی اور مثالیت پسند ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ دوسرے کی جسمانی موجودگی کو ایک خطرہ سمجھے گا جو گویا اس کی جان کے درپہ ہے۔''

بات یہ کسی گیلانی نے کہی ہے، نام اس کا لینے سے کیا حاصل یہی اس صدی کی کڑوی سچائی ہے۔ اور یہی بچھڑے ہوئے تمدن کی سرد مہر خوانی شام ہے

یہ چھٹپٹا شام ہی کا ہوگا۔ جب آنکھ رکھنے والا ایک شاعر یہ کہتا ہے اور فضا میں پھیلی ہوئی دشمنی کی بو اور تنہائی کی سائیں سائیں کو اپنی نظموں کے ذریعے مستقل وجود بخشتا جاتا ہے۔ تو اسے جھٹلانا مشکل ہے۔ بے شک، ہم پٹے ہوئے مہرے ہیں۔ شام کو دم گھونٹنے والے، چائے خانوں کی میزوں پر بیٹھے ہوئے دوست نما دشمن، بسوں میں ایک دوسرے کی جگہ چھیننے پر تلے ہوئے مسافر، دفتر سے لوٹ کر بیوی بچوں پر برسنے والے محرّ زغلک سے چمٹے ہوئے حریض تو ندل بیوپاری اور شام کی لالی گرنوں یا شام کے فوراً بعد نیلی پیلی نیون روشنیوں میں لتھرے ہوئے بے کیف چہرے بابل اور نینوا کی شام! غداری اور دشمنی کی شام!

لیکن ہمارے دلوں کو ڈھارس دینے اور خود اپنے ذہن کو اجالنے کی خاطر تضاد کو نمایاں کرنے کے لیے، منیر ہمیں اس صبح کی جھلکیاں بھی دکھاتا رہتا ہے۔ جو ہمارا بچپن جب رنگ زندہ ہوا تازہ اور آنکھیں روشن تھیں، اور اس کی خوبصورتی اور صداقت کی جھلکیاں بھی جو بڑھتی ہوئی کمینگی اور بے حسی کے باوجود اب بھی کہیں کہیں دلوں میں چہروں پر، باتوں میں اور فطرت کے مظاہر میں باقی ہیں۔

میرا یقین یہ ہے کہ جہاں جہاں بھی انسان کے قدم پہنچے ہیں۔ وہ اپنی خوشبو اور آہٹ پیچھے چھوڑ گیا۔ یہی وہ ورثہ ہے

جو فطرت کو انسان بنا سکتی ہے۔ ایک اداس کرنے والی خوشبو جو کھنڈروں، پرانی جگہوں، بے چراغ موضعوں اور بھلائی ہوئی گذر گاہوں سے پھوٹتی رہتی ہے، دل کی دھڑکن تیز کرنے والی آہٹ میں عبرتوں اور ہجرتوں کا فسانہ ہے، اسی لیے اداسی بھی، اور منیر ان کا کھوجی ہے ان کے سراغ میں چلتا ہوا وہ جھٹپٹے سے آگے نکل گیا ہے۔ وہ کی راہ سے مستقبل کو پہنچا ہے اور ہوا اس کی راہ نماہ ہے کیو نکہ ہوا ہی خوشبوؤں اور دوسروں کو پھیلاتی اور مٹاتی ہے اور ہوا میں نوحے اور زخم خوردگی کی ایسی کیفیت ہے جو تمام انسانی دکھوں سے ماور معلوم ہوتی ہے، اور وہ ہوا جو اندھیری شام میں کو چلے اور جو آدھی رات کو "خوشبوں کے بار پرو کر" کسی راز کی طرح" پھوٹ پھو ٹ کر روری ہے"۔۔۔۔۔ان سے زیادہ دل دکھانے والا کون ہے؟

"منیر نیازی کی شاعری کی تین بڑے سمبل ہیں "ہوا"، "شام" اور "موت"!

دشمن آدمی کے اندر بھی ہوتے ہیں، باہر بھی۔ شام دل میں بھی ہوتی ہے اور آسمان پر بھی، اندھیرا جھک آنے پر روشنی کی موت کا سوگ ہوا یا شاعر کے سوا کون منا سکتا ہے کہتے ہے عالمِ بالا میں ایک بہت پھیلاؤ والا گھنا درخت ہے جس پر ہمیشہ ایک ہی وقت میں خزاں اور بہار چھائی رہتی ہے جب تیز ہوا کے جھونکے آتے ہیں تو کچھ پیلی مرجھائی پتیاں ٹوٹ کر گر جاتی ہیں! اسی طرح نیچے، دنیا میں جہاں فنا کو قیام ہے، فانی انسان مرتے رہتے ہیں۔ یوں مجھے تو ہوا کی آواز میں موت کی ندا سنائی دیتی ہے۔ جو عالم بالا میں پکار پکار کر ہمارے ناموں کے پتے گراتی رہتی ہے "ٹوٹا پتا ڈال سے لے گئی پون اڑا۔" میں سمجھتا ہوں کہ تمام جدائیوں اور محبتوں اور شکستوں میں ہوا کا ہاتھ ہے۔ ہوا کا سدا بول بالا رہے۔

منیر مسافر بھی تو ہے۔ شام کا مسافر۔ کہتے ہیں سفر وسیلہ کا ظفر ہے۔ ہو گا۔ منیر کے ہاں تو سفر وسیلہ خبر ہے۔۔۔۔۔نا معلوم کی خبر۔ دراصل یہ سفر ہے ہی ایسی چیز، ایک دفعہ آدمی چل کھڑا ہو تو پھر لوٹتا نہیں۔ تم ان سیمنٹ کے خولوں سے بڑے بڑے جھڑوس شہروں باہر نکلوں تا کہ خود کو پا سکو، خواہشات اور علائق کے ''دشت بلا'' کو جس نے پار کر لیا سمجھو نروان پا لیا۔ صبح ہو یا شام۔ منیر کے ہاں سفر کا ذکر چھڑا رہتا ہے اور مصرعے پرندوں کی طرح پر تولتے رہتے ہیں۔ منیر شمالی یورپ کے دیوتا (ODIN) کی طرح ہے جس کے ساتھ ساتھ ہمیشہ دو کوّے اڑتے رہتے تھے۔ اور کوا تمہیں پتہ ہے، مستقبل کی خبر دیتا ہے کہ کون یا کوئی آنیوالا ہے۔ کیا آنیوالا ہے؟ اس کی خبر یا جھلک تو منیر کی نظموں ہی میں مل سکتی ہے۔ میں تو یہ بتا سکتا ہوں کی جانے والا کون ہے۔

صبح کا ذب کی ہوا میں درد تھا کتنا منیر
ریل کی سیٹی بجی تو دل لہو سے بھر گیا

ریل کی سیٹی سے بڑا اب سفر کا سمبل کیا ہوگا؟ رختِ سفر باندھ لو ________ میں چلا۔

محمد سلیم الرحمٰن

منیر نیازی کے شعری تجربوں کا میل ہے جو ہمارے اجتماعی تخیل کا حصہ ہیں۔ دوشمنوں کے درمیان شام کی نظمیں اور غزلیں پڑھتے پڑھتے کبھی ان آفت زدہ نہروں کی طرف دھیان جاتا ہے۔ جہاں کوئی خطر پسند شہزادہ رنج سفر کھینچتا جا نکلتا تھا اور خلقت کو خوف کے عالم میں دیکھ کر حیران ہوتا تھا، کبھی عذاب کی زد میں آئی ہوئی ان بستیوں کا خیال آتا ہے، جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے، کبھی حضرت امام حسین کے وقت کا کوفہ نظروں میں گھومنے لگتا ہے۔ اس کے باوجود منیر نیازی، عہد کی شاعری کرنے والوں سے زیادہ عہد کا شاعر نظر آتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے عہد کے اندر ایک آفت زدہ شہر دریافت کیا ہے۔ منیر نیازی کا عہد منیر نیازی کا کوفہ ہے۔ پھر ہر پھر کر شہر کا ذکر بھی ایک معنی رکھتا ہے۔ اس سے شاعر کا اپنے اردگرد کے ساتھ گہرے رشتے کا پتہ چلتا ہے۔ ان نظموں میں جو استعاروں اور تلمیحوں کا ذخیرہ خرچ ہوا ہے اس سے کام لینے والوں نے یہ کام بھی لیا ہے۔ اردگرد سے بے تعلق ہو کر اپنی ذات کے پاتال میں اتر گئے۔ مگر منیر نیازی کے یہاں ذخیرہ خارج سے رشتہ استوار کرنے کا فرض انجام دیتا ہے۔ یہ رشتہ بے شک دشمنی کا رشتہ ہے مگر دشمنی کے رشتے میں شدت بہت ہوتی ہے۔

انتظار حُسین



حصّہ نظم

وصال کی خواہش

کہہ بھی دے اب وہ سب باتیں
جو دل میں پوشیدہ ہیں
سارے روپ دکھادے مجھ کو
جو اب تک نادیدہ ہیں

ایک ہی رات کے تارے ہیں
ہم دونوں اس کو جانتے ہیں
دوری اور مجبوری کیا ہیں
اس کو بھی پہچانتے ہیں

کیوں پھر دونوں مل نہیں سکتے
کیوں یہ بندھن ٹوٹا ہے
یا کوئی کھوٹ ہے تیرے دل میں
یا میرا کوئی غم جھوٹا ہے

ایک خیال

دنیا سے دور اس کی بھری محفلوں سے دور
بھٹکا ہے دل ہوا کی طرح منزلوں سے دور
اُٹھی ہے موجِ درد کوئی دل کے آس پاس
پھرتی ہے اک صدا سی کہیں ساحلوں سے دور

شام، خوف، رنگ

بجلی کڑک کے تیغ شرر بار سی گری
جیسے گھٹا میں رنگ کی دیوار گری
دیکھا نہ جائے گا وہ سماں شام کا منیر
جب بامِ غم سے خوشبو کوئی ہار سی گری

خوبصورت خیال

چھوڑو تو چھوٹ جائیں
پکڑوں تو ٹوٹ جائیں
صابن کے بلبلے سے
رنگین آئینے سے

وہ دونوں

اک تصویر اداس
اک سایہ خاموش
اپنے اپنے خواب میں
بڑی طرح مدحوش

مینہ ہوا اور اجنبی شہر

بارش تھی، دیواروں پر اور کوٹھوں پر
اور گھروں کے گھنے درختوں پر
تند ہوا تھی، چہروں پر، دروازوں پر
اور خالی خالی رستوں پر
روشنیاں تھیں، کہیں کہیں
درگاہوں میں یا اونچے سرد مکانوں میں
ہوگا وہ بھی وہیں کہیں
ویرانوں میں یا مرمر کے ایوانوں میں

ساتھیوں کی تلاش

کچھ اپنے جیسے لوگ ملیں
ان رنگ برنگے شہروں میں

کوئی اپنی جیسی لہر ملے
ان سانپوں جیسی لہروں میں
کوئی تیز، نشیلا زہر ملے
اتنی قسموں کے زہروں میں

ہم بھی نہ گھر سے باہر نکلیں
ان سونی دوپہروں میں

دیکھنے والے کی الجھن

سورج میں جو چہرے دیکھے اب ہیں سپنے سمان
اور شعاعوں میں الجھی سی
گیلے گیلے ہونٹوں کی وہ نئی لال مسکان
جیسے کبھی نہ تھے یہ

چھوٹی چھوٹی اینٹوں والے ٹھنڈے برف مکان
کہاں گئی وہ شام ڈھلے کی
سرسر کرتی تیز ہوا کی دل پر کھچی کمان

اور سپنا جو نیند میں لایا
پوری ادھوری خواہشوں کا
اک درد بھرا طوفان
کیسے کوئی کر سکتا ہے ان میں پہچان

آدمی

بھولی باتیں یاد نہ آئیں
کیا کیا کوشش کرتا ہے

کون ہے وہ بس اسی سوچ کے
سائے سے بھی ڈرتا ہے

جیسے سوکھ کے طوفانوں میں
دکھ کا ریلا پھرتا ہے

ساتھ اپنے جمگھٹا لگا کر
آپ اکیلا پھرتا ہے

گزرگاہ پر تماشا

کھلی سڑک ویران پڑی تھی
بہت عجب تھی شام

اونچا قد اور چال نرالی
نظریں خوں آشام

سارے بدن پر مچا ہوا تھا
رنگوں کا کہرام

لال ہونٹ یوں دہک رہے تھے
جیسے لہو کا جام

ایسا حسن تھا اس لڑکی میں
ٹھٹھک گئے سب لوگ

کیسے خوش خوش چلے تھے گھر کو
لگ کیا کیسا روگ

ساحلی شہر میں ایک رات

روشنیاں ہی روشنیاں اور نوحے تھکے جہازوں کے
بارش میں جادو کے منظر کھلے ہوئے درازوں کے

لاکھ جتن سے بھی نہیں مانا
دل کو دکھایا یا بیتے دن کے ہنگاموں کی کا تماشا بھی
شہر ہے سارا پتھر جیسا

میرا بھی دشمن ہے یہ اور اس کے لہو کا پیاسا بھی
میں بھی اپنی سوچ میں گم ہوں
پاگل ہو کر ناچ رہی وہ ہوٹل کی رقاصہ بھی

ساتواں در کُھلنے کا سماں

ڈوب چلا ہے زہر میں اس کی آنکھوں کا ہر روپ
دیواروں پر پھیل رہی ہے پھیکی پھیکی دھوپ
سناٹا ہے شہر میں جیسے ایسی ہے آواز
اک دروازہ کھلے گا جیسے کوئی پرانا راز

حسن میں گناہ کی خواہش

حسن تو بس دو طرح کا خواب لگتا ہے مجھے
آگ میں جلتا ہوا
یا برف میں سویا ہوا
درمیاں میں کچھ نہیں

صرف ہلکا سا اچنبھا ، عکس سا اڑتا ہوا
اک خیال انگیز قصہ اپنی آدھی موت کا
اک الم افزا افسانہ شوق کا
اک کنارے سے صدا وہ تو وہ چلتی جائے گی
دُور تک اپنے گنہ پر ہاتھ ملتی جائے گی

دُشمنوں کے درمیان شام

پھیلتی ہے شام دیکھو ڈوبتا ہے دن عجب
آسماں پر رنگ دیکھو ہوگیا کیسا غضب
کھیت میں اور ان میں اک روپوش سے دشمن کا شک
سرسراہٹ سانپ کی گندم کی وحشی گر مہک
اک طرف دیوار و در اور جلتی بجھتی بتیاں
اک طرف سر پر کھڑا یہ موت جیسا آسماں

کہسار مری میں سردیاں

چاند نکلا بادلوں سے رات گہری ہوگئی
جیسے یہ دنیا خدا کی گونگی بہری ہوگئی
دیکھ کر وہ مجھ کو ناگن اور زہری ہوگئی
جسم ریشم بن گیا رنگت سنہری ہوگئی
سر کے اوپر شاخ تھی اور اس کے اوپر آسماں
آنکھ اس کی سرخ اور رنگت سنہری ہوگی

لال پیلی چاندنی برفوں پہ ڈھلتی دیکھنا
بے ثمراندھی نظر رنگوں سے جلتی دیکھنا
ایک خواہش سو طرح کے رخ بدلتی دیکھنا

ڈھاکہ کے بلدا باغات میں تماشا

دور تک جاتی ہوئی پتھر کی کالی سیڑھیاں
اور گہرے لال پتے پیڑ کے
گھر کو تکتے دو نگاہیں ایک کالے جسم کی
بن کی پوشیدہ جگہوں کی اوٹ سے
دو عجائب گھر کے کمرے ایک خونی داستاں
خوب صورت مرد وزن کی انجمن آرائیاں
اپنی حد سے آگے بڑھ کر گرم خوں کی تیزیاں
بے وفائی کی پرانی رسم کے سود وزیاں

چھپ چلیں، فلاک پر دیکھوں شفق کی سرخیاں
اک پرانی شب کا قصہ چھیڑ کے
دور تک جاتی ہوئی پتھر کی خالی سیڑھیاں
اور گہرے لال پتے پیڑ کے

دُھوپ میں ایک غیر آباد شہر کا نظارہ

ایک کنواں تھا بیچ میں اک پتیل کا مور
خالی شہر ڈراؤنا کھڑا تھا چاروں اور

دُھوپ میں دو سفید عورتیں

ادھر تھا مندر پھیروں کا
ادھر ہوا تھی راہوں میں
دھوپ تھا شیشہ چاندی کا
چمک گیا جو نگاہوں میں

شبِ ماہ میں سیر کے دوران

ایک مکان کے دس دروازے
کھلے پڑے ہیں سارے
اندر باہر کوئی نہیں
کوئی چاہے لاکھ پکارے

میں جیسا بچپن میں تھا

میں جیسا بچپن میں تھا
اُسی طرح میں اب تک ہوں
کھلے باغ کو دیکھ کر
بری طرح حیران
آس پاس مرے کیا ہوتا ہے
اس سب سے انجان

زندگی کی رنگارنگی

دکھ بھی تھا اس کو شادی کا
خوش بھی ہے وہ دیکھو کتنی

اپنے گھر کے صحن میں

دیواروں پر ہری بیل ہے
اس سے اوپر تارے ہیں
سب سے اوپر کھلا آسماں
اور اس کے نظارے ہیں

خُدا کو اپنے ہم زاد کا انتظار

اداس ہے تو بہت خدایا !
کوئی نہ تجھ کو سنانے آیا !

وہ سر جو تیرے اجاڑ دل میں
چراغ بن کر چمک رہی ہے
کوئی نہ تجھ کو دکھانے آیا

عجیب حسن مہیب جیسی
خلش جو دل میں کھٹک رہی ہے

ایک دھندلا سا خواب

کبھی کمان سی نئے چاند کی
اوراس کی خوشبو
آس پاس گہرے رنگوں کا
زہریلا جادو
ایک پیڑ اور ایک سانپ سا
اک میں اور اک تو

ہونے کا غم کس کو نہیں

ہونے کا غم اسے بھی ہے
اور مجھ کو بھی
کبھی نہ ہونے کا اندیشہ
اسے بھی ہے اور مجھ کو بھی

ایک لمحہ تیز سفر کا

اک ربن کسی کی زلفوں کا
بیمار مہک کسی جنگل کی
رنگین جھلک کسی بادل کی

دروازے بڑے مکانوں کے
کچھ پھول کھلے والانوں کے
کچھ رنگ چھپے ویرانوں کے
فانوس کھلی دکانوں کے

اک لڑی میں اڑتے آتے ہیں
اور واپس مڑتے جاتے ہیں

ایک بہادر کی موت

زخمی دشمن حیرت میں ہے
ایسا بھی ہو سکتا ہے
اس کو شاید خبر نہیں تھی
اب وہ گہری حیرت میں ہے

آسمان پر رب ہے اس کا اور صدائیں یاروں کی
آس پاس شکلیں میں اس کے لہولہان سواروں کی
دل میں اس کے خلش ہے کوئی ، شاید گئی بہاروں کی
کھیل ذرا انہونی کے دیکھو اور جفا غداروں کی

فتح کے موت ملی اسے گھر دور دیاروں کی

ایک شہر میں شام

چلی ہوائیں باغوں میں
اڑے ہیں رنگ چراغوں میں
چھپا ہے غم آوازوں میں
کھلے ہوئے دروازوں میں

آدھی رات میں ایک نیم وا دریچہ

آدھا چہرہ روشنی میں ہے آدھا کالے پردے میں
ایک آنکھ ہے سورج جیسی ایک ہے کالے پردے میں
بھید نہ اب تک باہر آیا آدھے گرے نقابوں سے
آنکھ ہمیشہ گھری رہی ظاہر اور چھپے سرابوں سے

سیرِ سحر آب زار بنگال

رخصت سرما کی صبح سرد، نم ،سنگین
خواب خاموشی کی تہ میں اک جھلک رنگین سی

بانس کا جنگل، ہوا، پانی، پرانی جھیل کا
سبز ڈر پر رنگ جیسے آسماں کے نیل کا

گرتے جاتے شہر دونوں سمت اک انبار میں
کھنچتی جاتی خاک میداں ایک ہی رفتار میں

ہلتے جاتے نقش سے کچھ پھیلتی دیوار پر
بجھ کے گرتے حرف سے حد سفر آثار پر

ہر طرف خوشبو ہوا میں بن میں اقرب آب کی
ایک پر اسرار خواہش دل میں مرگِ آب کی

ایک دوزخی شہر پر بادلوں کے لیے دُعا

گرم رنگ پھولوں کا
گرم تھی مہک ان کی
گرم خون آنکھوں میں
تیز تھی چمک ان کی

سوچتا میں کیا اس کو
اس حسیں کی باتوں کو
دیکھتا میں کیا اس کے
خاک رنگ ہاتھوں کو

خوف تھا تمازت میں
عیش شب کی شدت کا
در کھلا تھا دوزخ کا
لمس لب کی حدت کا

میں جواب کیا دیتا
اس کی ان اداؤں کا
ایک شہر مردہ میں
دور کی نداؤں کا

سحر زرد باطن میں
پانچ بند اسموں کا
بن گیا تھا جسموں میں
زہر پانچ قسموں کا

بے سُود سفر کے بعد آرام کا پل

پھر ہری بیلوں کے نیچے بیٹھنا شام و سحر
پھر وہی خواب تمنا پھر وہی دیوار و در

بلبلیں، اشجار، گھر، شمس و قمر
خوف میں لذت کے مسکن، جسم پر ان کا اثر

موسموں کے آنے جانے کے وہی پر نشاں
سات رنگوں کے نیلے فلک تک پرفشاں

صبح دم سونے محلے پھیکی پھیکی سہ پہر
پھول گرتے دیکھنا شاخوں سے فرش شام پر

خواب اس کے دیکھنا موجود تھا جو بام پر
خواب اس بیلوں کے نیچے بیٹھنا شام و صحر

حرف سادہ ورنگیں

اک کلی گلاب کی
کوچہ چمن میں بھی ہے
یاد ایک خواب کی
شام کے گگن میں ہے
اسم سبز باب کا
پر فریب بن میں ہے
نقش اک شباب کا
سایہ کہن میں ہے
اک پکارتی صدا
جبر کے گھن میں ہے
دور دور تک ہوا
کوہ اور دامن میں ہے



حصہ غزل



کس انوکھے دشت میں ہو اے غزل الان ختن
یا د آتا ہے تمہیں بھی اب کبھی اپنا وطن

خوں رلاتی ہے مجھے اک اجنبی چہرے کی یاد
رات دن رہتا ہے آنکھوں میں وہی لعلِ یمن

عطر میں ڈوبی ہوئی ہے کوئے جاناں کی ہوا
آہ اس کا پیرہن اور اس کا صندل سا بدن

رات اب ڈھلنے لگی ہے بستیا ں خاموش ہیں
تو مجھے سونے نہیں دیتی مرے جی کی جلن

یہ بھبھو لال مکھ ہے اس پری وش کا منیر
یا شعاعِ ماہ سے روشن گلابوں کا چمن!



دیتی نہیں اماں جو زمیں آسماں تو ہے
کہنے کو اپنے دل سے کوئی داستاں تو ہے

یوں تو ہے رنگ زرد مگر ہونٹ لال ہیں
صحرا کی وسعتوں میں کہیں گلستاں تو ہے

اک چیل ایک ممٹی پہ بیٹھی ہے دھوپ میں
گلیاں اجڑ گئی ہیں مگر پاسباں تو ہے

آواز دے کے دیکھ لو شاید وہ مل ہی جائے
ورنہ یہ عمر بھر کا سفر رائیگاہ تو ہے

مجھ سے بہت قریب ہے تو پھر بھی اے منیر
پردہ سا کوئی میرے ترے درمیان تو ہے



جمالِ یار کا دفتر رقم نہیں ہوتا
کسی جتن سے بھی یہ کام کم نہیں ہوتا

تمام اجڑے خرابے حسیں نہیں ہوتے
ہر اک پرانا مکاں قصرے جم نہیں ہوتا

تمام عمر رہِ رفتگاں کو تکتی رہے
کسی نگاہ میں اتنا تو دم نہیں ہوتا

یہی سزا ہے میری اب جو میں اکیلا ہوں
کہ میرا سر ترے آگے بھی خم نہیں ہوتا

وہ بے حسی ہے مسلسل شکستِ دل سے منیر
کوئی بچھڑ کے چلا جائے غم نہیں ہوتا



وہ اک خیال جو اس شوخ کی نگاہ میں تھا
اسی کا عکس مرے دل کی سرد آہ میں تھا

اسی طرح وہ پرانی بہار باقی تھی
عجیب حسن سا اس حزنِ بارگاہ میں تھا

شفق کا رنگ جھلکتا تھا لال شیشوں میں
تمام اجڑا مکاں شام کی پناہ میں تھا

میں اُس کو دیکھ کے چپ تھا اسی کی شادی میں
مزا تو سارا اسی رسم کے نباہ میں تھا

سواد شہر پہ رک گیا تھا میں تو منیر
اور ایک دشت بلا میرے گھر کی راہ میں تھا



ابر میں برق کے گلزار دکھاتے اس کو
کاش اس رات کبھی جا کے جگاتے اس کو

شہ نشینوں پہ ہوا پھرتی ہے کھوئی کھوئی
اب کہاں ہے وہ مکیں یہ تو بتاتے اس کو

وہ جو پاس آ کے یونہی چپ سا کھڑا رہتا تھا
اس کی تو خو تھی یہی تم ہی بلاتے اس کو

غمگساری کی طلب تھی یہ محبت تو نہ تھی
درد جب دل میں اٹھا تھا تو چھپاتے اس کو

فائدہ کیا ہے اگر اب وہ ملے بھی تو منیر
عمر تو بیت گئی راہ پہ لاتے اس کو



یہ بے صدا سنگ دور اکیلے
اجاڑ سنسان گھر اکیلے

چلے چوبی کے مستیوں میں
گئے کہناں بے خبر اکیلے

مہیب بن تھا چہار جانب
کٹا تھا سارا سفر اکیلے

ہوا سی رنگوں میں چل رہی ہے
کھڑے ہے وہ بام پر اکیلے

ہے شام کی زرد دھوپ سر پر
ہوں جیسے دن میں نگر اکیلے

منیر گھر سے نکل کے ہم بھی
پھرے بہت در بدر اکیلے



اک تیز تھا کہ لگا اور نکل گیا
ماری جو چیخ ریل نے جنگل دہل گیا

سویا ہوا تھا شہر کسی سانپ کی طرح
میں دیکھتا ہی رہ گیا اور چاند ڈھل گیا

خواہش کی گرمیاں تھیں عجب ان کے جسم میں
خوباں کی صحبتوں میں میرا خون جل گیا

تھی شام زہر رنگ میں ڈوبی ہوئی کھڑی
پھر اک ذرا سی دیر میں منظر بدل گیا

مدت کے بعد آج اسے دیکھ کر منیر
اک بار دل تو دھڑکا مگر پھر سنبھل گیا



صحن کو چمکا گئی بیلوں کو گیلا کر گئی
رات بارش کی فلک کو نیلا کر گئی

دھوپ ہے اور زرد پھولوں کے شجر ہر راہ پر
اک ضیائے زہر سب سڑکوں کو پیلا کر گئی

کچھ تو اس کے اپنے دل کا درد بھی شامل ہی تھا
کچھ نشے کی لہر بھی اس کو سریلا کر گئی

بیٹھ کر میں لکھ گیا ہوں درد دل کا ماجرا
خون کی اک بوند کاغذ کو رنگیلا کر گئی



اس شہر کو جلا دینا چاہیئے
پھر اس کی خاک کو بھی اڑا دینا چاہیئے

ملتی نہیں پناہ ہمیں جس زمیں پر
اک حشر اس زمیں پہ اٹھا دینا چاہیئے

حد سے گزر گئی ہے یہاں رسم قاہری
اس دہر کو اب اس کی سزا دینا چاہیئے

اک تیز رعد جیسی صدا ہر مکان میں
لوگوں کو ان کے گھر میں ڈرا دینا چاہیئے

گم ہو چلے تو تم تو بہت خود میں اے منیر
دنیا کو کچھ تو اپنا پتہ دینا چاہیئے



دل خوف میں ہے عالم فانی کو دیکھ کر
آتی ہے یاد موت کی پانی دیکھ کر

ہے باب شہر مردہ گزرگاہ باد شام
میں چپ ہوں اس جگہ کی گرانی کو دیکھ کر

ہل سی رہی ہے حد سفر فرط شوق سے
دھندلا رہے ہیں حرف معانی کو دیکھ کر

آزردہ ہے مکان میں میں خاک زمیں بھی
چیزوں میں شوق نقل مکانی کو دیکھ کر

ہے آنکھ سرخ اس لب لعلیں کے عکس سے
دل خوں ہے اس کی شعلہ بیانی کو دیکھ کر

پردہ اٹھا تو جیسے یقیں بھی اٹھا منیر
گھبرا اٹھا ہوں سامنے ثانی کو دیکھ کر



تند نشہ خمار سا نکلا
آسماں بھی غبار سا نکلا

کیا اندھیرے میں روشنی سی رہی
رنگ لب کا شرار سا نکلا

تلخی غم نکل گئی دل سے
جسم سے اک بخار سا نکلا

دیکھ کر حسن دشت حیراں ہوں
یہ تو منظر دیار سا نکلا

میں ہوں بیمار وصل گل سے منیر
شوق دل مرگ زار سا نکلا



اس شہر کے یہیں کہیں ہونے کا رنگ ہے
اس خاک میں کہیں کہیں سونے کا رنگ ہے

پائیں چمن ہے خود رو درختوں کا جھنڈا سا
محراب در پہ اس کے نہ ہونے کا رنگ ہے

طوفان ابروباد ملا ساحلوں پہ ہے
دریا کی خامشی میں ڈبونے کا رنگ ہے

اس عہد سے وفا کا صلہ مرگ رائگاں
اس کی فضا میں ہر گھڑی کھونے کا رنگ ہے

سرخی ہے جو گلاب سی آنکھوں میں اے منیر
خار بہار دل میں چبھونے کا رنگ ہے



شب وصال میں دُوری کا خواب کیوں آیا
کمال فتح میں یہ ڈر کا باب کیوں آیا

دلوں میں اب کے برس اتنے وہم کیوں جاگے
بلاد صبر میں اب اضطراب کیوں آیا

ہے آب گل پہ عجیب اس بہار گزراں میں
چمن میں اب کے گل بے حساب کیوں آیا

اگر وہی تھا تو رخ پہ وہ بے رخی کیا تھی
ذرا سے ہجر میں یہ انقلاب کیوں آیا

بس ایک ہو کا تماشا تمام سمتوں پر
مری صدا کے سفر میں سراب کیوں آیا

میں خوش نہیں ہوں بہت دور اس سے ہونے پر
جو میں نہیں تھا تو اس پر شباب کیوں آیا

اڑا ہے شعلہ برق ابر کی فصیلوں پر
یہ اس بلا کے مقابل سحاب کیوں آیا

یقین کس لیے اس پر سے اٹھ گیا ہے منیر
تمہارے سر پہ یہ شک کا عذاب کیوں آیا



قرار ہجر میں اس کے شراب میں نہ ملا
وہ رنگ اس گل رعنا کا خواب میں نہ ملا

عجب کشش تھی نظر پر سراب صحرا سے
گہر مگر وہ نظر کا اس آب میں نہ ملا

بس ایک ہجرت دائم گھروں زمینوں سے
نشان مرکز دل اضطراب میں نہ ملا

سفر میں دھوپ کا منظر تھا اور سائے کا اور
ملا جو مہر میں مجھ کو سحاب میں نہ ملا

ہوا نہ پیدا وہ شعلہ جو علم سے اٹھتا
یہ شہر مردہ صحیفوں کے باب میں نہ ملا

مکاں بنا نہ یہاں اس دیار شر میں منیر
یہ قصر شوق نگر کے عذاب میں نہ ملا



ہری ٹہنیوں کے نگر پر گئے
ہوا کے پرندے شجر پر گئے

اک آسیب زر ان مکانوں میں ہے
مکیں اس جگہ کے سفر پر گئے

بہت دھند ہے اور وہ نقش قدم
خدا جانے کد رہ گزر پر گئے

کہ جیسے ابھی تھا یہاں پر کوئی
گماں کیسے خواب سحر پر گئے

کئی رنگ پیدا ہوئے برق سے
کئی عکس دیوار و در پر گئے

وہی حسن دیوانہ گر طرف
سبھی رخ اسی کے اثر پر گئے

منیر آج اتنی اداسی ہے کیوں
یہ کیا سائے سے بحروبر پر گئے



چمن میں رنگ بہار اترا تو میں نے دیکھا
نظر سے دل کا غبار اترا تو میں نے دیکھا

میں نیم شب آسماں کی وسعت کو دیکھتا تھا
زمیں پہ وہ حسن زار اترا تو میں نے دیکھا

گلی کے باہر تمام منظر بدل گئے تھے
جو سایہ کوئے یار اترا تو میں نے دیکھا

خمار مے میں وہ چہرہ کچھ اور الگ رہا تھا
دم سحر جب خمار اترا تو میں نے دیکھا

اک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو
میں اک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا



شعاع مہر منور شبوں سے پیدا ہو
متاع خواب مسرت غموں سے پیدا ہو

مری نظر سے جو گم ہوگیا وہ ظاہر ہو
صراط شہر صفا الجھنوں سے پیدا ہو

گلِ مراد! سرِدشت نامرادی کھل
رخ نگار وفا محملوں سے پیدا ہو

گماں نہیں ہوتی مجھے جس سمت سے وہاں سے آ
جو میں نے نہیں دیکھی ان جگہوں سے پیدا ہو

ہویدہ ہو دم زندہ ہجوم مردہ سے
اے اصل شوق غلط خواہشوں سے پیدا ہو

مثال قوس قزح بارشوں کے بعد نکل!
جمال رنگ ، کھلے منظروں سے پیدا ہو

فروغ اسم محمد ہو بستیوں میں منیر
قدیم یاد ، نئے مسکنوں سے پیدا ہو



سن بستیوں کا حال جو حد سے گزر گئیں
ان امتوں کا ذکر جو رستوں میں مر گئیں

کر یاد ان دنوں کو کہ آباد تھیں یہاں
گلیاں جو خاک و خون کی دہشت سے بھر گئیں

صرصر کی زد میں آئے ہوئے بام و در کو دیکھ
کیسی ہوائیں کیسا نگر سرد کر گئیں

کیا باب تھے یہاں جو صدا سے نہیں کھلے
کیسی دعائیں تھیں جو یہاں بے اثر گئیں

تنہا اجاڑ برجوں میں پھرتا ہے تو منیر
وہ زر فشانیاں ترے رخ کی کدھر گئیں



بس ایک ماہ جنوں خیز کی ضیا کے سوا
نگر میں کچھ نہیں باقی رہا ہوا کے سوا

ہے ایک اور بھی صورت کہیں مری ہی طرح
اک اور شہر بھی ہے قریہ صدا کو سوا

اک اور سمت بھی ہے اس سے جا کے ملنے کی
نشان اور بھی ہے اک نشان پا کے سوا

زوال عصر ہے کوفے میں اور گداگر ہیں
کھلا نہیں کوئی در باب التجا کے سوا

میری خواہشیں باعث ہیں میرے غم کی منیر
عذاب مجھ پہ نہیں حرف مدعا کے سوا



کیسی ہے رہگزار وہ دیکھیں گے جا کے اب اسے
بیت گئے برس بہت دیکھا تھا ہم نے جب اسے

جاگے گا خواب ہجر سے آئے گا لوٹ کر یہیں
دیکھیں گے خوف و شوق سے روزن و در سے سب اسے

صحرا نہیں یہ شہر ہے اور بھی لوگ ہیں یہاں
چاروں طرف مکان ہیں اتنا ہے ہوش کب اسے

کہنے کو بات کچھ نہیں جانا ہے اس کو تجھ کو بھی
کیوں تو کھڑا ہے راہ میں روک کے بے سبب اسے

باغوں میں جا ، اے خوش نوا آئی بسنت کی ہوا
زرد ہوا ہے بن عجب ، جادو چڑھا عجب اسے

اک اک ورق ہے باب زر تیری غزل کا اے منیر
جب یہ کتاب ہو چکے جا کے دکھانا تب اسے

بھیروں بہار کا خیال

لاگی لاگن گھر گھر
پت جھڑکی ہے بہار
آنکھوں میں انتظار
ڈھلے چاند دل کے پار
لاگی لگن ــــــــــ

ایک اجنبی دیار
چلے ہوا سوگوار
دل میں وہم بے شمار
ایک درد کی پکار
آرہی ہے بار بار
لاگی لگن ــــــــــ

ایک احتمال

شاید وہ ملے انہی راہوں پر جن راہوں پر چھوڑا تھا اسے
کرنوں کی کلیاں چنتے ہوئے
مری جانب دوڑتے آتے ہوئے
مری جانب دوڑتے آتے ہوئے پھر رک واپس جاتے ہوئے
شاید وہی موسم اب تک ہو جس میں دیکھتا تھا اسے

خزاں زدہ باغ پر بوندا باندی

آمد باراں کا سناٹا
کبھی کبھی اس سناٹے میں ٹوٹ کے گرتے پتے
دیو آسا اشجار کھڑے ہیں
کہیں کہیں اشجار تلے ویران پرانے رستے
لے کے چلیں آوارہ ہوائیں
ایک نشانی اس کی جو تھی اس کو واپس پہنچانے
آج بہت دن بعد آئی ہے شام یہ چادر تانے
اک وعدہ جو میں نے کیا تھا اس کی یاد دلانے

آج بہت دن بعد ملے تھے گہری پیاس اور پانی
ساحلوں جیسا حسن کسی کا اور میری حیرانی

:: :: ::